اسلامی جہاد

مولانا وحید الدّین خاں



اسلامی جہاد

جہاد زندگی کی ایک حقیقت ہے۔جس چیز کو ہم عمل یا جدو جہد (struggle) کہتے ہیں، اسی کا عربی مترادف جہاد ہے۔ جہاد نہ کوئی پراسرار چیز ہے اور نہ وہ تشدد کے ہم معنی ہے۔وہ سادہ طور پر بھرپور کوشش کے لئے بولا جانے والا ایک لفظ ہے۔

اردو میں ہم کہتے ہیں کہ جب میں بڑا ہوا اور جدو جہد حیات کے مرحلہ میں داخل ہوا۔اسی طرح عربی میں کہا جاتا ہے کہ **بذل جهده** اس نے اپنی پوری کوشش صرف کی۔اسی طرح انگریزی میں کہتے ہیں کہ:

We must struggle against this prejudice

کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا ایک عام انسانی صفت ہے۔اس کے لئے جس طرح ہر زبان میں الفاظ ہیں، اسی طرح عربی زبان میں بھی الفاظ ہیں۔ جہاد کا لفظ بھی اصلاً یہی مفہوم رکھتا ہے۔کوشش کے لئے عربی میں سعی ایک عام لفظ ہے۔ لیکن جہاد کے لفظ میں مبالغہ کا عنصر شامل ہے،یعنی بہت زیادہ کوشش کرنا۔

البتہ یہاں ایک فرق پایا جاتا ہے۔ جب ہم کوشش یا جدو جہد یا اسٹرگل کا لفظ بولیں تو اس میں ثواب یا عبادت کا مفہوم شامل نہیں رہتا۔لیکن جہاد کا لفظ جب اسلامی اصطلاح بنا تو اس میں اصطلاحی طور پر یہ مفہوم بھی شامل ہو گیا۔یعنی کوشش کے معنی اگر صرف کوشش کے ہیں تو جہاد کا مطلب ایک ایسی کوشش کرنا ہے جو عبادت ہو اور جس میں

مشغول ہونے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہو، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: **جاھدوا فی اللہ حق جھادہ۔**

جہاد لغت میں

جہاد کی اصل **جُھد** ہے۔ اس کے معنی کوشش کے ہیں مگر جہد کے مادے میں مبالغہ کا مفہوم ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: **جھد اللبن** (کوشش کر کے سارا مکھن نکال لینا) اور **اجھد الدابۃ** (جانور کے اوپر طاقت سے زیادہ لادنا) اسی طرح کہا جاتا ہے: **بذل جھدہ** (اس نے اپنی پوری طاقت صرف کی) اسی طرح کہا جاتا ہے: **لابلغن جُھیدای فی الامر** (میں معاملہ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا) جہاد یا مجاہدہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ قرآن میں آیا ہے کہ: **جاھدوا في اللہ حق جھادہ** (اللہ کے راستہ میں پوری کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے)

مشہور عربی لغت لسان العرب میں بتایا گیا ہے کہ **جھد** کے معنی مبالغہ آمیز کوشش کے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: **جھدت جھدي واجتھدت رأي ونفسي حتی بلغت مجھودي** (۳/ ۱۳۳) یعنی میں نے ہر طرح اپنی پوری کوشش کی یہاں تک کہ میں اپنی آخری کوشش تک پہنچ گیا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: **جھد الرجل في کذا اي جد فیه وبالغ۔** (آدمی نے معاملے میں کوشش کی اور اپنی پوری کوشش کر ڈالی) جہاد یا اجتہاد کا مطلب ہے: **بذل الوسع في طلب الامر** (کسی کام میں اپنی پوری کوشش صرف کرنا)

حالات کی نسبت سے کبھی جہاد یا جدوجہد کا یہ عمل دشمنوں سے مقابلہ تک پہنچ جاتا

ہے۔اس وقت، باعتبار استعمال نہ کہ باعتبار لغت، اس میں محاربہ کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی نے استعمال کی نسبت سے جہاد کی تین قسمیں بتائی ہیں: ظاہری دشمن سے مقابلہ اور شیطان سے مقابلہ اور نفس سے مقابلہ(و **الجهاد ثلاثة اضرب: مجاهدة العدو الظاهر، و مجاهدة الشيطان، و مجاهدة النفس**)۔

جہاد قرآن میں

قرآن میں بھی جہاد یا اس کے مشتقات اسی معنی میں آئے ہیں جس معنی میں وہ لغتِ عرب میں استعمال ہوتے ہیں، یعنی کسی مقصد کے لئے مبالغہ آمیز کوشش کرنا۔ لفظ ''جہاد'' قرآن میں چار بار استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ یہ لفظ کوشش اور جدوجہد کے معنی میں ہے نہ کہ براہِ راست طور پر جنگ وقتال کے معنی میں۔

اس سلسلہ میں پہلی قرآنی آیت کا ترجمہ یہ ہے: کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، یہ سب تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو راستہ نہیں دیتا۔(التوبہ: ۲۴)

اس آیت میں اہل اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قربانی کی حد تک جا کر اسلام کے دعوتی مشن میں پیغمبر کا ساتھ دیں۔ خواہ اس کام میں ان کے ذاتی مفادات مجروح ہوں یا

مال اور تجارت کا نقصان ہو یا جسمانی مشقتیں برداشت کرنی پڑیں، ہر حال میں وہ اس دعوتی مشن میں پیغمبر کے ساتھی بنے رہیں۔ اس آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ اصلاً پیغمبر کے دعوتی مشن کے لئے آیا ہے نہ کہ جنگ کے لئے۔

قرآن کی دوسری سورہ میں حکم دیا گیا ہے کہ: تم منکرین کی بات نہ مانو اور ان کے ساتھ قرآن کے ذریعہ جہاد کبیر کرو (الفرقان ۵۲)۔ اس آیت میں واضح طور پر جہاد سے مراد دعوتی جہاد ہے۔ کیوں کہ قرآن کے ذریعہ جہاد کا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہوسکتا۔

یہ لفظ تیسری جگہ قرآن میں اس طرح آیا ہے: **ان کنتم خرجتم جهادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی** (الممتحنہ:۱) یعنی اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا مندی کی طلب کے لئے نکلے ہو۔ یہ آیت فتح مکہ سے کچھ پہلے اتری۔

مدینہ سے مکہ کا سفر جنگ کے لئے نہ تھا۔ وہ دراصل ایک پر امن مارچ تھا جو صلح حدیبیہ کی صورت میں نکلنے والے پر امن نتائج کو حاصل کرنے کے لئے کیا گیا۔ چنانچہ اس موقع پر ایک مسلمان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: **الیوم یوم الملحمۃ** (آج کا دن لڑائی کا دن ہے) یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا کہ نہیں، آج کا دن رحمت کا دن ہے: **الیوم یوم المرحمۃ**۔

چوتھی بار قرآن میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے: **وجاهدوا في الله حق جهاده** (الحج: ۷۸) یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔ اس آیت میں جہاد سے مراد دعوتی جہاد ہے۔ یہ حقیقت اس کے سیاق سے بالکل واضح ہے۔

جہاد کیا ہے

جہاد کیا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان جہاد کے نام پر جو کچھ کر رہے ہیں، وہ جہاد نہیں ہے۔ یہ سب قومی جذبات کے تحت چھیڑی ہوئی لڑائیاں ہیں جن کو غلط طور پر جہاد کا نام دے دیا گیا ہے۔

جہاد اصلاً پُرامن جدوجہد کا نام ہے، وہ قتال کے ہم معنیٰ نہیں۔ کبھی توسیعی استعمال کے طور پر جہاد کو قتال کے مفہوم میں بولا جاتا ہے۔ مگر لغوی مفہوم کے اعتبار سے جہاد اور قتال دونوں ہم معنیٰ الفاظ نہیں۔ یہاں اس سلسلہ میں قرآن وحدیث سے جہاد کے بعض استعمالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: **والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا** (العنکبوت ۶۹) یعنی جن لوگوں نے جہاد کیا ہماری خاطر تو ہم اُن کو اپنی راہیں دکھائیں گے۔ اس آیت میں تلاشِ حق کو جہاد کہا گیا ہے، یعنی اللہ کو پانے کے لیے کوشش کرنا، اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا، اللہ کی قربت ڈھونڈھنے کے لیے کوشش کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس جہاد کا قتال یا ٹکراؤ سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ اسی طرح قرآن میں ارشاد ہوا ہے: **وجاهدوا بأموالهم** (الحجرات ۱۵) یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے مال سے جہاد کیا۔ اس آیت کے مطابق، اپنے مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا ایک جہادی عمل ہے۔

۳۔ اسی طرح قرآن میں ارشاد ہوا ہے: **وجاهدهم به جهاداً کبیرا**

(الفرقان ۵۲) یعنی غیر مومنین کے ساتھ قرآن کے ذریعہ جہاد کرو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ قرآن کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے پُرامن جدو جہد کرو۔

۴۔ اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله (الترمذي، فضائل الجهاد)** یعنی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی ترغیبات سے لڑ کر اپنے آپ کو سچائی کے راستہ پر قائم رکھنا جہاد ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لڑائی داخلی طور پر نفسیات کے میدان میں ہوتی ہے، نہ کہ خارجی طور پر کسی جنگ کے میدان میں۔

۵۔ ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الحج جهاد (ابن ماجه، كتاب المناسك)** یعنی حج جہاد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کا عمل ایک مجاہدانہ عمل ہے۔ حج کو مطلوب انداز میں انجام دینے کے لیے آدمی کو سخت جدو جہد کرنی پڑتی ہے۔

جہاد کا تصور اسلام میں

جہاد کا مادہ جہد ہے۔ جہد کے معنی ہیں کوشش کرنا (to strive, to struggle)۔ اس لفظ میں مبالغہ کا مفہوم ہے یعنی کسی کام میں اپنی ساری کوشش صرف کر دینا۔ عربی میں کہا جاتا ہے کہ 'بذل جهده' یا 'بذل مجهوده' یعنی اس نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ لسان العرب میں ہے کہ: **جهد الرجل فی كذا أی جد فيه و بالغ** (۳/ ۱۳۳) آدمی نے فلاں معاملہ میں جدو جہد کی، یعنی اس میں مبالغہ کی

حد تک کوشش کر ڈالی۔

جہاد مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی کسی کام میں اپنی ساری ممکن کوشش صرف کرنا۔

لسان العرب میں ہے: **الجهاد: المبالغة و استفراغ الوسع في الحرب أو اللسان أو ما أطاق من شيئ** (۳/ ۱۳۵)۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: **وجاهدوا في الله حق جهاده** (الحج: ۷۸) یعنی اللہ کی راہ میں خوب کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔

عربی زبان میں جہاد اصلاً صرف کوشش یا بھرپور کوشش کے معنیٰ میں ہے۔ دشمن سے جنگ بھی چوں کہ کوشش کی ایک صورت ہے، اس لیے توسیعی مفہوم کے اعتبار سے دشمن کے ساتھ جنگ کو بھی جہاد کہہ دیا جاتا ہے۔ تاہم اس دوسرے مفہوم کے لیے عربی میں اصل لفظ قتال ہے نہ کہ جہاد۔

دشمن سے جنگ ایک اتفاقی واقعہ ہے جو کبھی پیش آتا ہے اور کبھی پیش نہیں آتا۔ لیکن جہاد ایک مسلسل عمل ہے جو مومن کی زندگی میں ہر دن اور ہر رات جاری رہتا ہے، وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ مستقل جہاد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کی مرضی پر قائم رہے۔ اس قیام میں جو چیز بھی رکاوٹ ہو، اس کو اپنی زندگی پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ مثلاً نفس کی خواہش، مفاد کی طلب، رسم ورواج کا زور، مصلحتوں کے تقاضے، ذاتی انا کا مسئلہ، مال کی حرص، وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں عمل صالح کے لیے رکاوٹ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس قسم کی تمام رکاوٹوں کو زیر کرتے

ہوئے اللہ کے حکم پر قائم رہنا، یہی اصل جہاد ہے، اور یہی جہاد کا ابتدائی مفہوم ہے۔ اس جہاد کے بارہ میں حدیث میں بہت سی روایتیں آئی ہیں۔ مثلاً مسند امام احمد کی چند روایتیں یہ ہیں:

المجاهد من جاهد نفسه لله (٦/ ٢٠)

المجاهد من جاهد نفسه في سبيل الله (٦/ ٢٢)

المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله (٦/ ٢٢)

موجودہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ یہاں کا پورا ماحول اس طرح بنایا گیا ہے کہ آدمی مسلسل طور پر آزمائش کے حالات سے گزرتا رہے۔ ان آزمائشی مواقع پر آدمی کو طرح طرح کی رکاوٹوں کا سامنا پیش آتا ہے۔ مثلاً ایک حق اس کے سامنے آئے، مگر اس کا اعتراف کرنے میں اپنا درجہ نیچا ہوتا ہوا دکھائی دے، کسی کا مال آدمی کے قبضہ میں ہو اور اس کو حقدار کی طرف واپس کرنے میں اپنا نقصان نظر آتا ہو، تواضع کی مطلوب زندگی گذارنے میں اپنے نفس پر جبر کرنا پڑے، غصہ اور انتقام کے جذبات کو برداشت کرنا اپنی نفی کے ہم معنیٰ بن گیا ہو، انصاف کی بات بولنے میں یہ اندیشہ ہو کہ لوگوں کے درمیان مقبولیت ختم ہو جائے گی، خودغرضانہ کردار کے بجائے بااصول کردار اختیار کرنے میں سہولیات سے محرومی نظر آتی ہو، وغیرہ۔

اس طرح کے مختلف مواقع پر بار بار آدمی کو اپنی خواہش کو دبانا پڑتا ہے۔ اپنی نفسیات کی قربانی دینا ضروری ہو جاتا ہے، حتی کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ

اسے اپنی انا کو ذبح کرنا پڑے گا۔ اس طرح کے تمام مواقع پر ہر رکاوٹ کو عبور کرتے ہوئے اور ہر نقصان کو جھیلتے ہوئے حق پر قائم رہنا یہی اصلی اور ابتدائی جہاد ہے۔ جو لوگ اس جہاد پر قائم رہیں، وہی آخرت میں جنت کے مستحق قرار دیے جائیں گے۔

جہاد اصلاً پُرامن جدو جہد کا عمل ہے۔ اسی پُرامن جدو جہد کی ایک صورت وہ ہے جس کو دعوت و تبلیغ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: **فلا تطع الکافرین و جاھدھم بہ جھاداً کبیرا** (الفرقان: ۵۲) یعنی منکرین کی اطاعت نہ کرو اور ان کے ساتھ قرآن کے ذریعہ جہاد کبیر کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ باطل جو بات ان سے منوانا چاہتے ہیں اس کو ہرگز نہ مانو، بلکہ قرآن کی تعلیمات کو لے کر ان کے خلاف دعوت و تبلیغ کا عمل کرو اور اس عمل میں اپنی آخری کوشش صرف کر دو۔ اس آیت میں جہاد سے مراد کوئی عسکری عمل نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد تمام تر فکری اور نظریاتی عمل ہے۔ اس عمل کو ایک لفظ میں ابطالِ باطل اور احقاقِ حق کہا جا سکتا ہے۔

جہاد بمعنیٰ قتال بھی اپنے ابتدائی مفہوم کے لحاظ سے پُرامن جدو جہد ہی کا دوسرا نام ہے۔ دشمن کی طرف سے اگر فوجی اور عسکری چیلنج دیا جائے تب بھی اولاً ساری کوشش اس بات کی کی جائے گی کہ اس کا جواب پُرامن طریقہ سے دیا جائے۔ پُرامن طریقہ کو صرف اُس وقت ترک کیا جائے گا جب کہ اس کو استعمال کرنا ممکن ہی

نہ ہو، جب کہ قتال کے جواب میں قتال ہی واحد ممکن انتخاب کی صورت اختیار کرلے۔

اس معاملہ میں حضرت عائشہ کی ایک روایت ہمارے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا: **ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین أمرین إلا اختار أیسرھما (صحیح البخاری، کتاب الأدب)** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ آسان کا انتخاب کرتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کسی معاملہ میں دو امکانی انتخاب ہوتا، ایک آسان انتخاب (easier option) اور دوسرا مشکل انتخاب (harder option) تو آپ ہمیشہ مشکل انتخاب کو چھوڑ دیتے اور جو آسان ہوتا، اس کو اختیار فرمالیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کا تعلق زندگی کے صرف عام معاملات سے نہ تھا، بلکہ جنگ جیسے سنگین معاملہ سے بھی تھا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے مشکل انتخاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی سیرت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نے کبھی خود اپنی طرف سے جنگ کا اقدام نہیں کیا۔ اور جب آپ کے مخالفین کی طرف سے آپ کو جنگ میں الجھانے کی کوشش کی گئی تو آپ نے ہمیشہ اعراض کی کوئی تدبیر اختیار کرکے جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی۔ آپ صرف اُس وقت جنگ میں شریک ہوئے جب کہ دوسرا کوئی راستہ سرے سے باقی ہی نہ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنت کے مطابق، اسلام میں جارحانہ جنگ نہیں ہے، اسلام میں صرف مدافعانہ جنگ ہے اور وہ بھی صرف اس وقت جب کہ اس سے بچنا سرے سے ممکن ہی نہ رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں ہمیشہ دو میں سے ایک کے انتخاب کا مسئلہ رہتا ہے — پُرامن جدوجہد، اور پُرتشدد جدوجہد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ اور ہر معاملہ میں یہی کیا کہ پُرتشدد طریق کار کو چھوڑ کر پُرامن طریق کار کو اختیار فرمایا۔ آپ کی پوری زندگی اسی اصول کا ایک کامیاب عملی نمونہ ہے۔ یہاں اس نوعیت کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ پیغمبری ملنے کے بعد فوراً ہی آپ کے سامنے یہ سوال تھا کہ آپ مذکورہ دونوں طریقوں میں سے کس طریقہ کو اختیار کریں۔ جیسا کہ معلوم ہے، پیغمبر کی حیثیت سے آپ کا مشن یہ تھا کہ شرک کو ختم کریں اور توحید کو قائم فرمائیں۔ مکہ میں کعبۃ اللہ اسی توحید کے مرکز کے طور پر بنایا گیا تھا، مگر آپ کی بعثت کے وقت کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھ دیئے گئے تھے۔ اس لحاظ سے بظاہر یہ ہونا چاہیے تھا کہ قرآن میں سب سے پہلے اس طرح کی کوئی آیت اترتی کہ: **طهر الكعبة من الأصنام** (کعبہ کو بتوں سے پاک کرو) اور اس کو دوبارہ مرکز توحید بنا کر اپنے مشن کو آگے بڑھاؤ۔

مگر کام کا یہ آغاز قریش سے جنگ کرنے کے ہم معنیٰ تھا، جن کی قیادت عرب میں اسی لیے قائم تھی کہ وہ کعبہ کے متولی بنے ہوئے تھے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ کی عملی تطہیر کے معاملہ سے مکمل طور پر احتراز فرمایا اور اپنے

آپ کوصرف توحید کی نظری دعوت تک محدود رکھا۔ یہ گویا پُرتشدد طریق کار کے مقابلہ میں پُرامن طریقِ کار کی پہلی پیغمبرانہ مثال تھی۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پُرامن اصول پر قائم رہتے ہوئے تیرہ سال تک مکہ میں اپنا کام کرتے رہے، مگر اس کے باوجود قریش آپ کے دشمن بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے سرداروں نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ سب مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے تلواروں سے مسلح ہو کر آپ کے گھر کو گھیر لیا۔

یہ گویا رسول اور اصحاب رسول کے لیے جنگ کا کھلا چیلنج تھا۔ مگر آپ نے اللہ کی رہنمائی کے تحت یہ فیصلہ فرمایا کہ جنگی مقابلہ سے اعراض کریں۔ چنانچہ آپ رات کے سناٹے میں مکہ سے نکلے اور خاموشی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ اس واقعہ کو اسلام کی تاریخ میں ہجرت کہا جاتا ہے۔ ہجرت واضح طور پر پُرتشدد طریقِ کار کے مقابلہ میں پُرامن طریقِ کار کو اختیار کرنے کی ایک مثال ہے۔

۳۔ غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب بھی اسی سنت کی ایک مثال ہے۔ اس موقع پر مختلف قبائل کے لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ واضح طور پر آپ کے مخالفین کی طرف سے ایک جنگی چیلنج تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ رات دن کی محنت سے اپنے اور مخالفین کے درمیان ایک لمبی خندق کھود دی۔ اس

وقت کے حالات میں یہ خندق گو یا ایک حاجز(buffer) یا ٹکر روک طریقہ تھا۔ چنانچہ قریش کا لشکر خندق کے دوسری طرف کچھ دن ٹھہرا رہا اور اس کے بعد واپس چلا گیا۔ یہ خندق بھی گو یا پُر تشدد عمل کے مقابلہ میں پُر امن عمل کا انتخاب لینے کی ایک مثال ہے۔

۴۔ اسی طرح صلح حدیبیہ بھی اسی قسم کی ایک سنت کی حیثیت رکھتی ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر یہ صورت تھی کہ رسول اور اصحاب رسول مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر مکہ کے سرداروں نے حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا اور کہا کہ آپ لوگ مدینہ واپس جائیں۔ ہم کسی قیمت پر آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ یہ گو یا قریش کی طرف سے آپ کے لیے ایک جنگی چیلنج تھا۔ اگر آپ اپنے ارادہ کے مطابق عمرہ کرنے کے لیے مکہ کی طرف بڑھیں تو یقینی تھا کہ قریش سے جنگی ٹکراؤ پیش آئے گا۔ مگر آپ نے حدیبیہ پر اپنا سفر ختم کر دیا اور قریش کی یک طرفہ شرطوں پر امن کا معاہدہ کر کے مدینہ واپس آ گئے۔ یہ بھی واضح طور پر تشدد کے مقابلہ میں امن کا طریقہ اختیار کرنے کی ایک پیغمبرانہ مثال ہے۔

۵۔ فتح مکہ کے واقعہ سے بھی آپ کی یہی سنت ثابت ہوتی ہے۔ اس وقت آپ کے پاس جاں نثار صحابہ دس ہزار کی تعداد میں موجود تھے۔ وہ یقینی طور پر قریش سے کامیاب لڑائی لڑ سکتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمالِ طاقت کے بجائے مظاہرۂ طاقت کا طریقہ اختیار فرمایا۔ آپ نے ایسا نہیں کیا کہ دس ہزار

افراد کی اس فوج کو لے کر اعلان کے ساتھ نکلیں اور قریش سے جنگی تصادم کر کے مکہ پر قبضہ حاصل کریں۔ اس کے بجائے آپ نے یہ کیا کہ کامل رازداری کے ساتھ سفر کی تیاری کی اور اپنے اصحاب کے ساتھ سفر کرتے ہوئے نہایت خاموشی کے ساتھ مکہ میں داخل ہو گئے۔ آپ کا یہ داخلہ اتنا اچانک تھا کہ قریش آپ کے خلاف کوئی تیاری نہ کر سکے اور مکہ کسی خونی تصادم کے بغیر فتح ہو گیا—— یہ بھی پُرتشدد طریقِ کار کے مقابلہ میں پُرامن طریق کار کو اختیار کرنے کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

ان چند مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف عام حالات میں بلکہ انتہائی ہنگامی حالات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے مقابلہ میں امن کے اصول کو اختیار فرمایا۔ آپ کی تمام کامیابیاں اسی سنتِ امن کی عملی مثالیں ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اسلام میں امن کی حیثیت حکمِ عام کی ہے اور جنگ کی حیثیت صرف مجبورانہ استثناء کی۔ اس حقیقت کو سامنے رکھئے اور پھر یہ دیکھئے کہ موجودہ زمانہ میں صورت حال کیا ہے۔ اس معاملہ میں جدید دور قدیم دور سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ قدیم زمانہ میں پُرتشدد طریقِ کار ایک عام رواج کی حیثیت رکھتا تھا اور امن کا طریقہ اختیار کرنا بے حد مشکل کام تھا، مگر اب صورت حال یکسر طور پر بدل گئی ہے۔ موجودہ زمانہ میں پُرتشدد طریقِ کار آخری حد تک غیر مطلوب اور غیر محمود بن چکا ہے۔ اس کے مقابلہ میں پُرامن طریقِ کار کو واحد پسندیدہ طریقِ کار کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ مزید یہ کہ موجودہ زمانہ میں

پُرامن طریقِ کارکو ایسی فکری اور عملی تائیدات حاصل ہوگئی ہیں جنہوں نے پُرامن طریقِ کارکو بذاتِ خود ایک انتہائی طاقتور طریقِ کار کی حیثیت دے دی ہے۔

ان جدید تائیدات میں بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ مثلاً اظہار رائے کی آزادی کا حق، جدید کمیونکیشن کے ذریعہ اپنی بات کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے امکانات، میڈیا کی طاقت کو اپنے حق میں استعمال کرنا، وغیرہ۔ ان جدید تبدیلیوں نے پُرامن طریقِ کارکو بیک وقت مقبول طریق کار بھی بنا دیا ہے اور اسی کے ساتھ زیادہ مؤثر طریق کار بھی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ جب پُرامن طریقِ کار عملاً دستیاب (available) ہوتو اسلامی جدو جہد میں صرف اسی کو اختیار کیا جائے گا، اور پُرتشدد جدو جہد کو ترک کر دیا جائے گا۔ اب موجودہ صورت حال یہ ہے کہ زمانی تبدیلیوں کے نتیجہ میں پُرامن طریقِ کار نہ صرف مستقل طور پر دستیاب ہے، بلکہ مختلف تائیدی عوامل (supporting factors) کی بنا پر وہ بہت زیادہ مؤثر حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ یہ کہنا بلا مبالغہ درست ہوگا کہ موجودہ زمانہ میں پُرتشدد طریق کار مشکل ہونے کے ساتھ عملاً بالکل غیر مفید ہے، اس کے مقابلے میں پُرامن طریق کار آسان ہونے کے ساتھ انتہائی مؤثر اور نتیجہ خیز ہے۔ اب پُرامن طریقِ کار کی حیثیت دو امکانی انتخابات (possible options) میں سے صرف ایک انتخاب کی نہیں ہے، بلکہ وہی واحد ممکن اور نتیجہ خیز انتخاب ہے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا بالکل

درست ہوگا کہ اب پرتشدد طریقِ کار عملاً متروک قرار پاچکا ہے، یعنی وہی چیز جس کو شرعی زبان میں منسوخ کہا جاتا ہے۔ اب اہل اسلام کے لیے عملی طور پر ایک ہی طریقِ کار کا انتخاب باقی رہ گیا ہے، اور وہ بلاشبہہ پُرامن طریقِ کار ہے، الّا یہ کہ صورتِ حال میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جو دوبارہ حکم کو بدل دے۔

یہ صحیح ہے کہ پچھلے زمانہ میں بعض اوقات پُرتشدد طریقِ کار کو اختیار کیا گیا، مگر اس کی حیثیت زمانی اسباب کی بنا پر صرف ایک مجبورانہ انتخاب کی تھی۔ اب جب کہ زمانی تبدیلیوں کے نتیجہ میں یہ مجبوری باقی نہیں رہی تو پُرتشدد طریقِ کار کو اختیار کرنا بھی غیر ضروری اور غیر مسنون قرار پا گیا۔ اب نئے حالات میں صرف پُرامن طریقِ کار کا انتخاب کیا جائے گا۔

موجودہ زمانہ میں اس معاملہ کی ایک سبق آموز مثال ہندستانی لیڈر مہاتما گاندھی (وفات ۱۹۴۸) کی زندگی میں ملتی ہے۔ اسی زمانی تبدیلی کی بنا پر مہاتما گاندھی کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ ہندستان میں ایک مکمل قسم کی سیاسی لڑائی لڑیں اور اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچائیں۔ اور یہ سب کچھ شروع سے آخر تک عدم تشدد کا طریقہ (non-violent method) اور پُرامن عمل (peaceful activism) کے اصول کو اختیار کرکے انجام پایا۔

فقہ کا یہ ایک معلوم اصول ہے کہ: **تتغیر الأحکام بتغیر الزمان والمکان** (زمان اور مکان کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں) اس مسلّمہ فقہی اصول کا

تقاضا ہے کہ جب زمانی حالات بدل چکے ہوں تو شرعی احکام کا ازسرنو انطباق (re-application) تلاش کیا جائے، تاکہ شرعی حکم کو زمانی حالات سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔ اس فقہی اصول کا تعلق جس طرح دوسرے معاملات سے ہے، اسی طرح یقینی طور پراس کا تعلق جنگ کے معاملہ سے بھی ہے۔ اس اصول کا بھی یہ تقاضا ہے کہ پُرتشدد طریقِ کار کو اب عملاً متروک قرار دیا جائے اور صرف پُرامن طریقِ کار کو شرعی جواز کا درجہ دیا جائے۔

موجودہ زمانہ کی جہادی تحریکیں

موجودہ زمانہ میں اسلامی جہاد کے نام سے بہت سے ملکوں کے مسلمان مسلّح جہاد کی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ مگر کوئی تحریک محض اس بنا پر جہاد کی تحریک نہیں ہوسکتی کہ اس کے عَلم برداروں نے اس کو جہاد کا نام دے دیا ہو۔ کوئی عمل صرف اس وقت اسلامی جہاد قرار پاتا ہے جب کہ وہ اسلام کی مقرر کی ہوئی شرطوں پر پورا اترے۔ جہاد کی شرطوں کی تکمیل کے بغیر جو جہاد کیا جائے، وہ عملاً جہاد نہیں ہوگا بلکہ فساد ہوگا۔ جو لوگ اس کام میں مشغول ہوں، وہ اپنے اس کام پر جہاد کا انعام نہیں پائیں گے، بلکہ اللہ کی طرف سے وہ صرف سزا کے مستحق ہوں گے۔

جہاد بمعنیٰ قتال کی شرطیں کیا کیا ہیں، اس کو میں اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ یہاں صرف ایک بات کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جہاد بمعنیٰ قتال کی حیثیت نماز روزہ جیسے انفرادی عمل کی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا

عمل ہے جس کا تعلق مکمل طور پر ریاست سے ہے۔

جہاد (بمعنیٰ قتال) کی یہ اصولی حیثیت قرآن وحدیث کی مختلف نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ دشمن کی طرف سے خوف کی صورت پیدا ہو تو اس کو لے کر خود سے اس کے خلاف کارروائی شروع نہ کردو بلکہ اس کو اولوا الأمر (ارباب حکومت) کی طرف لوٹاؤ، تاکہ وہ معاملہ کی صحیح نوعیت کو سمجھیں اور اس کے بارہ میں صحیح اور ضروری اقدام کریں (النساء ۸۳)۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ خوف (جنگی صورت حال) پیش آنے کی صورت میں عوام کے لیے خود سے اقدام کرنا جائز نہیں۔ وہ صرف یہ کر سکتے ہیں کہ معاملہ کو حاکم کے حوالہ کردیں اور حاکم کی طرف سے جو اقدام کیا جائے اس میں اس کا ساتھ دیں۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ: **انما الامام جنة، یقاتل من ورائه ویتقی به (صحیح البخاري، کتاب الجهاد والسیر)** یعنی بلا شبہہ امام ڈھال ہے، قتال اس کی ماتحتی میں کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ حفاظت حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنگی دفاع ہمیشہ حاکم کی قیادت میں کیا جائے گا۔ عام مسلمانوں کا فرض صرف یہ ہوگا کہ وہ اپنے حاکم کی اتباع کریں اور اس کا ساتھ دے کر حکومت کے منصوبہ کو کامیاب بنائیں۔

فقہ میں یہ مسئلہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جس میں غالباً کسی قابلِ ذکر عالم کا اختلاف نہیں۔ چنانچہ فقہاء کے متفقہ مسلک کے مطابق، جنگ کا اعلان صرف ایک

قائم شدہ حکومت ہی کرسکتی ہے، غیر حکومتی عوام کو اس قسم کا اعلان کرنے کا حق نہیں۔ اسی لیے فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ: **الرحیل للإمام** (جنگ کا اعلان کرنا صرف حاکم وقت کا کام ہے)۔

اصل یہ ہے کہ جنگ ایک انتہائی منظم عمل کا نام ہے۔ اس قسم کا منظم عمل صرف با اختیار حکومت ہی کرسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگی اقدام صرف حکومت کے لیے جائز ہے، عوام کے لیے جنگی اقدام کرنا سرے سے جائز ہی نہیں۔

موجودہ زمانہ میں مختلف مقامات پر مسلمان جہاد کے نام پر حکومتوں سے پُرتشدد ٹکراؤ چھیڑے ہوئے ہیں۔ مگر تقریباً بلا استثناء ان میں سے ہر ایک کی حیثیت فساد کی ہے، نہ کہ اسلامی جہاد کی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی ''جہاد'' کسی حکومت کی طرف سے جاری نہیں کیا گیا ہے۔

آج کل کی زبان میں، ان میں سے ہر ایک جہاد غیر حکومتی تنظیموں (NGOs) کی طرف سے شروع کیا گیا اور انہی کی طرف سے ان کو چلایا جارہا ہے۔ اگر ان میں سے کسی جہادی سرگرمی کو بالفرض کسی مسلم حکومت کا تعاون حاصل ہے تو یہ تعاون بلا اعلان صرف خفیہ انداز میں کیا جارہا ہے، اور شریعت کے مطابق، کسی مسلم حکومت کو بھی جہاد کا حق صرف اس وقت ہے جب کہ وہ باقاعدہ طور پر اس کا اعلان کرے (الأنفال: ۵۸)۔ اعلان کے بغیر کسی مسلم حکومت کے لیے بھی قتال کرنا جائز نہیں۔

موجودہ زمانہ میں مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی طرف سے جہاد کے نام پر جو

سرگرمیاں جاری ہیں، آج کل کی زبان میں وہ دو قسم کی ہیں۔ یا تو اس کی حیثیت گوریلا وار (gorilla war) کی ہے، یا پراکسی وار(proxy war) کی۔اور یہ دونوں ہی قسم کی جنگیں یقینی طور پر اسلام میں ناجائز ہیں۔گوریلا وار اس لیے ناجائز ہے کہ وہ غیر حکومتی تنظیموں کی طرف سے چلائی جاتی ہے نہ کہ کسی قائم شدہ حکومت کی طرف سے۔اور پراکسی وار اس لیے ناجائز ہے کہ کوئی حکومت اس کو بلا اعلان جاری کرواتی ہے،اور اعلان کے بغیر جنگ اسلام میں جائز نہیں۔

جہاد کی تین قسمیں

اسلامی جہاد ایک مثبت اور مسلسل عمل ہے۔وہ مومن کی پوری زندگی میں برابر جاری رہتا ہے۔ اس مجاہدانہ عمل کے تین بڑے شعبے ہیں۔

ا۔ جہاد نفس۔یعنی اپنے منفی جذبات اور اپنے اندر کی نامطلوب خواہشات پر کنٹرول کرنا اور ہر حال میں اللہ کی پسندیدہ زندگی پر جمے رہنا۔

۲۔ جہاد دعوت۔ یعنی اللہ کے پیغام کو تمام بندوں تک پہنچانا اور اس کے لئے یک طرفہ ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ بھرپور کوشش کرنا۔ یہ ایک عظیم کام ہے،اس لئے اس کو قرآن میں جہاد کبیر کہا گیا ہے۔

۳۔ جہاد اعداء۔یعنی دین حق کے مخالفوں کا سامنا کرنا اور دین کو ہر حال میں محفوظ اور قائم رکھنا۔ یہ جہاد پہلے بھی اصلاً ایک پرامن عمل تھا۔اور اب بھی وہ اصلاً ایک پرامن عمل ہے۔اس اعتبار سے جہاد ایک پرامن جدوجہد، ہے نہ کہ

حقیقۃً کوئی مسلّح کارروائی۔

ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کے بارے میں فرمایا: **ففیھما فجاھد (البخاري، کتاب الجھاد)** یعنی تم اپنے والدین میں جہاد کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت کرنا جہاد کا ایک عمل ہے۔

اس طرح کی مختلف آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا عمل اصلاً ایک پُرامن عمل ہے۔ وہ کسی مطلوب خدائی کام میں پُرامن دائرہ کے اندر جدوجہد کرنا ہے۔ جہاد کے لفظ کا صحیح ترجمہ پُرامن جدوجہد (peaceful struggle) ہے۔

امن کی اہمیت

قرآن کی سورہ النساء میں ارشاد ہوا ہے: **الصلح خیر** (4:128) یعنی صلح زیادہ بہتر ہے۔ صلح کیا ہے، صلح دراصل امن کے نتیجے کا دوسرا نام ہے۔ جہاں صلح ہے، وہاں امن ہے اور جہاں صلح نہیں، وہاں امن بھی نہیں۔ اِس اعتبار سے، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام میں امن کو خیر اعلیٰ کا درجہ حاصل ہے۔

عام طور پر لوگ انصاف (justice) کو بڑی چیز سمجھتے ہیں، مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ انصاف کی حیثیت صرف ایک تصوراتی معیار کی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ تصوراتی معیار عملاً کس طرح حاصل ہو۔ اِس کا جواب صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ امن

کے ذریعے۔ امن کا یہ فائدہ ہے کہ اس کے ذریعے مواقع کھلتے ہیں۔ انصاف کسی کو خود بخود نہیں ملتا۔ انصاف کسی گروہ کو صرف اُس وقت ملتا ہے، جب کہ وہ مواقع کو پہچانے اور اس کو دانش مندانہ طور پر استعمال (avail) کرے۔

موجودہ زمانے میں بہت سے مقامات ہیں جہاں لوگ انصاف کے لیے لڑ رہے ہیں، مگر اِن میں سے ہر ایک اپنا مطلوب انصاف پانے میں ناکام ہے۔ اِس کا سبب صرف ایک ہے، اور وہ ہے طریقِ کار (method) کی غلطی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اِس دنیا میں ساری اہمیت طریقِ کار کی ہے۔ کوئی صحیح مقصد بھی غلط طریقِ کار کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اصول اتنا زیادہ عام ہے کہ اس میں کسی گروہ کا کوئی استثنا (exception) نہیں۔

کوئی گروہ جو انصاف کا طالب ہو، اُس کو سب سے پہلے اپنے یہاں امن قائم کرنا چاہیے۔ امن کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اُس کو ہر حال میں قائم کرنا ضروری ہے، خواہ اس کی کوئی بھی قیمت دینی پڑے۔ امن کبھی دو طرفہ بنیاد پر قائم نہیں ہوتا، امن ہمیشہ یک طرفہ صبر کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اِس کے سوا، امن کے قیام کا کوئی اور طریقہ نہیں۔

فطرت کا نظام، مواقع (opportunities) پر مبنی ہے۔ فطرت کے نظام کے تحت ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ مواقع وافر مقدار میں موجود رہتے ہیں۔ نفرت اور تشدد کا ماحول اِن فطری مواقع کے لیے ٹریپ ڈور (trap door) کی حیثیت رکھتا ہے۔ فطرت کا تقاضا ہے کہ آدمی سب سے پہلے نفرت اور تشدد کے ٹریپ ڈور کو ہٹائے۔ اِس ٹریپ ڈور کے ہٹتے

ہی مواقع ایک سیلاب کی طرح اُمڈ پڑتے ہیں۔ یہ مواقع اپنی نوعیت کے اعتبار سے، سیکولر بھی ہوتے ہیں اور دینی بھی۔

مواقع کا سیکولر استعمال یہ ہے کہ لوگ تعلیم اور اقتصادیات جیسے تعمیری شعبوں میں سرگرم ہوجائیں اور کھلے ہوئے مواقع کو استعمال کرکے وہ ہر قسم کی ترقیاں حاصل کریں۔ مواقع کا دینی استعمال یہ ہے کہ اہلِ ایمان اِن مواقع کو دعوت الی اللہ کے لیے استعمال کریں، وہ دعوت کے مشن میں سرگرم ہوکر اپنے آپ کو اعلیٰ خدائی انعامات کا مستحق بنائیں۔

تشدد کی تزئین

تشدد (violence) کامل معنوں میں ایک تخریبی عمل ہے۔ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ تشدد کے ذریعے کبھی بھی کسی فرد یا گروہ کو کوئی مثبت کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جب بھی کسی فرد یا گروہ نے تشدد کا طریقہ اختیار کیا تو اس کے حصے میں صرف تباہی آئی، نہ کہ حقیقی معنوں میں کوئی تعمیر۔ اِس کے باوجود کیوں ایسا ہے کہ لوگ بار بار تشدد کا فعل کرتے ہیں، لوگ بار بار متشددانہ کارروائی کرتے ہیں۔ اِس کا سبب شیطانی تزئین (Satanic beautification) ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کا خاص طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک غلط کام کو خوب صورت الفاظ میں پیش کرتا ہے، وہ فساد کو اصلاح کا نام دیتا ہے (15:39)۔ اِس طرح شیطان لوگوں کے ذہن کو متاثر کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اِس فرضی یقین میں مبتلا کرتا ہے کہ جو کچھ تم کرنے جارہے ہو، وہ تشدد نہیں ہے،

بلکہ وہ مقدس جہاد ہے۔ وہ شہادت کا راستہ ہے جو تم کو سیدھے جنت تک پہنچانے والا ہے۔ اِس طرح شیطانی تزئین کا شکار ہوکر لوگ تشدد کا عمل کرنے لگتے ہیں۔ وہ ایک غلط کام کررہے ہوتے ہیں، لیکن شیطان اُن کو بتاتا ہے کہ یہ ایک اچھا کام ہے۔

اِس شیطانی تزئین سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ کہ اپنے عمل کو نتیجہ (result) کے اعتبار سے جانچا جائے۔ جو متشددانہ عمل تباہی کے انجام تک پہنچ رہا ہو، جس سے ملے ہوئے مواقع برباد ہوتے ہوں، اُس کے بارے میں یہ یقین کرلیا جائے کہ وہ شیطان کی تزئین کا نتیجہ ہے اور پھر توبہ واستغفار کرکے اُس سے دوری اختیار کرلی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ تشدد اپنے آپ میں ایک نامطلوب فعل ہے۔ تشدد کبھی کوئی اصلاح پیدا نہیں کرتا، وہ صرف مزید نقصان کا سبب بنتا ہے۔ تشدد ایک حیوانی فعل ہے، وہ کوئی انسانی فعل نہیں۔ تشدد ہمیشہ نفرت اور عداوت سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنے اندر سے نفرت اور عداوت کی سوچ کو ختم کردیجئے۔ اِس کے بعد کبھی شیطان آپ کے اوپر قابو نہ پاسکے گا۔

ردِّعمل اسلام میں نہیں

بہت سے لوگ جنگ اور تشدد میں مبتلا ہیں، انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی۔ اُن سے کہا جائے کہ تم یہ تباہ کُن کام کیوں کررہے ہو، تو وہ یہ جواب دیں گے کہ — یہ تو ایک فطری ردّعمل ہے۔ جب کسی گروہ کے خلاف ظلم اور ناانصافی کا واقعہ پیش آئے گا،

تو اس کے اندر ضرور جوابی ردّ عمل (reaction) پیدا ہوگا۔ وہ گن (gun) اور بم استعمال کرے گا، یہاں تک کہ آخر کار وہ خودکُش بم باری(suicide bombing) کا طریقہ اختیار کرے گا۔ اگر ہمارے متشددانہ ردّ عمل کو ختم کرنا ہے،تو فریقِ ثانی کی طرف سے کیے جانے والے ظلم اور ناانصافی کو ختم کرنا ہوگا، ورنہ ہماری طرف سے متشددانہ کارروائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ردّ عمل (reaction) کو ختم کرنا ہے تو پہلے عمل (action) کو ختم کیجیے۔ اِس معاملے میں یک طرفہ نصیحت سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں۔

ردّ عمل کا یہ فلسفہ سرتا سر غیر فطری ہے۔ ایسے لوگوں کی اصل غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ذہنوں میں عمل کا غلط معیار قائم کرلیا ہے۔عمل کا صحیح معیار یہ ہے کہ عمل کے بعد پیش آنے والے نتیجہ (result) کو دیکھا جائے۔صحیح عمل کی پہچان یہ ہے کہ وہ عمل کرنے والوں کے لیے مفید نتیجہ پیدا کرے۔ جو عمل مفید نتیجہ پیدا نہ کرے، وہ سرے سے قابلِ ترک ہے۔

یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ کوئی عمل یا تو مفید نتیجہ پیدا کرتا ہے، یا وہ عمل کرنے والوں کے لیے کاؤنٹر پروڈکٹیو (counter productive) ثابت ہوتا ہے۔ اِس معاملے میں تیسری کوئی صورت نہیں۔ عملی اقدام وہی درست ہے جو نتیجہ خیز ہو۔ جو عملی اقدام نتیجہ خیز نہ ہو، وہ صرف اپنی تباہی میں اضافے کے ہم معنیٰ ہے،اور اپنی تباہی میں اضافہ کبھی کسی دانش مند کا کام نہیں ہوسکتا۔ کسی عمل کے مقابلے میں جذباتی ردّ عمل،

اُس عمل کا جواب نہیں۔ عمل کا حقیقی جواب یہ ہے کہ پہلے صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے، مثبت ذہن کے ساتھ نتیجہ خیز منصوبہ بندی کی جائے، پھر ٹکراؤ کے بجائے تعمیر کے اصول پر اپنے عمل کا آغاز کیا جائے۔ یہی صحیح اسلامی طریقہ ہے۔

جہاد اصغر، جہاد اکبر

ایک روایت کے مطابق، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس ہو کر مدینہ پہنچے تو آپ نے فرمایا: **رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر** (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں) اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ ہم وقتی جہاد سے مستقل جہاد کی طرف واپس آئے ہیں:

We have came back from temporary Jihad to the permanent Jihad.

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقتی جہاد سے مراد دفاعی جہاد (defencive jihad) ہے، جو کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ اور مستقل جہاد سے مراد اسپریچول جہاد (spiritual jihad) ہے، جو ہر آدمی کی زندگی میں مستقل طور پر جاری رہتا ہے۔ اِس بات کو ایک اور حدیث میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے: **جاهدوا أهوائكم كما تجاهدون أعدائكم**۔ یعنی اپنی خواہشات سے جہاد کرو، جس طرح تم اپنے دشمن سے جہاد کرتے ہو۔

دشمن کے خلاف جہاد ایک وقتی چیز ہے، جو اُس وقت پیش آتا ہے جب کہ کسی نے

با قاعدہ طور پر ریاست کے اوپر حملہ کر دیا ہو۔ یہ دفاعی جہاد ہے، اور اِس میں صرف کچھ تربیت یافتہ افراد حصہ لیتے ہیں، نہ کہ ساری مسلم کمیونٹی۔ اِس کے برعکس، اپنے نفس کے خلاف جہاد ایک انفرادی نوعیت کی چیز ہے اور وہ ہر مومن کی زندگی میں جاری رہتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ اِس لیے اس دنیا میں ہر عمل کو کرنے کے لیے اپنے نفس کے ساتھ مقابلہ پیش آتا ہے۔ اپنے نفس سے کامیاب مقابلے کے بغیر کوئی آدمی جہادِ نفس کے کام کو انجام نہیں دے سکتا۔

مثال کے طور پر یہ ایک ثواب کا کام ہے کہ آپ جب کسی شخص سے ملیں تو 'السلام علیکم' (تمھارے اوپر سلامتی ہو) کہیں۔ یہ کلمہ اتنا بڑا عمل ہے کہ اِس کے کہنے پر حدیث میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مگر موجودہ دنیا میں جب آدمی لوگوں کے ساتھ رہتا ہے تو بار بار اُس کو دوسروں کی طرف سے تلخ تجربات پیش آتے ہیں۔ اِس بنا پر ہر آدمی کے دل میں دوسروں کے خلاف شکایت کے جذبات موجود رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں حقیقی معنوں میں 'السلام علیکم' صرف وہ شخص کہہ سکتا ہے جو اس سے پہلے اپنے دل کو ہر قسم کے منفی جذبات سے پاک کرے اور اس کے بجائے اپنے دل کو لوگوں کے لیے خیر خواہی کے جذبات سے بھر دے۔ غور کیجئے تو یہ کام اتنا مشکل ہے کہ اِس کے لیے وہی زبردست کوشش کرنی پڑے گی جس کو جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اِسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ: **الحمد للہ تملأ المیزان** (الحمد للہ کا کلمہ میزان

کو بھر دیتا ہے) غور کیجئے تو یہ بھی کوئی سادہ بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سچا الحمد للہ کہنے کے لیے بہت بڑا ذہنی عمل درکار ہے۔ الحمد للہ کہنا، خدا کی نعمتوں پر شکر کا اظہار کرنا ہے۔ خدا کی یہ نعمتیں آدمی کو مسلسل طور پر لاتعداد صورتوں میں ملتی رہتی ہیں۔ یہ نعمتیں ہر آدمی کو اپنے آپ ملتی ہیں۔ چناں چہ آدمی ان کا عادی ہوجاتا ہے اور عادی ہونے کی بنا پر شعوری طور پر ان کو بطور نعمت محسوس نہیں کرتا۔

ایسی حالت میں الحمد للہ کہنے کے لیے ایک فکری جہاد کرنا پڑتا ہے۔ اُس کو یہ کرنا پڑتا ہے کہ اپنی تفکیری قوتوں کو عمل میں لا کر غیر شعور کو اپنے شعور میں لائے۔ اپنے جذبات کی نئی رُخ بندی کرے۔ وہ اپنی فکری قوتوں کو بیدار کرنے کے لیے مجاہد بن جائے۔ اِس کے بعد ہی اس کی زبان سے وہ کلمۂ حمد نکلتا ہے جو میزان کو بھر دینے والا کلمہ ہے۔

آدمی کے اندر طرح طرح کی خواہشیں ہیں— حرص، علو پسندی، دوسرے کو حقیر سمجھنا، بے صبری، غصہ اور انتقام، وغیرہ۔ آدمی ہر وقت اِن منفی جذبات کے تابع رہتا ہے۔ اِسی کے ساتھ وہ کچھ چیزوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ مثلاً دولت، شہرت اور اولاد، وغیرہ۔ آدمی کی یہ بے پناہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ تمام چیزیں اس کو بھرپور طور پر حاصل ہوجائیں۔

نفرت اور محبت کے یہ مختلف جذبات، آدمی کے اوپر ہر وقت چھائے رہتے ہیں، وہ جو کچھ سوچتا ہے، اِنھیں جذبات سے مغلوب ہوکر سوچتا ہے۔ وہ شعوری یا

غیر شعوری طور پر انھیں جذبات کے تحت اپنی زندگی کا نقشہ بناتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ بلاشبہہ ایک جہادی عمل ہے کہ آدمی خدا کو مسلسل طور پر اپنا مرکزِ توجہ بنائے وہ صراطِ مستقیم سے اپنے آپ کو ہٹنے نہ دے — یہی وہ پُر مشقت عمل ہے جس کو حدیث میں جہادِ نفس کہا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

جہاد ایک عربی لفظ ہے۔ اس کے معنی وہی ہیں جس کو پُرامن جدوجہد (peaceful struggle) کہا جاتا ہے۔ اس پرامن جدوجہد سے مراد اصلاً دعوتی جدوجہد ہے، جیسا کہ قرآن کی سورہ الفرقان میں ارشاد ہوا ہے: **وجاهدهم به جهاداً كبيرا** (25:52) یعنی پُرامن جدوجہد کے ذریعے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچانا۔

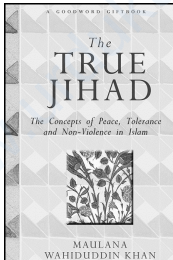
دعوت اصلاً ایک نظریاتی جدوجہد (ideological struggle) ہے۔ یہ ایک بے حد وسیع کام ہے۔ اس کے مختلف تقاضے ہیں۔ دعوت کے کام کو جب اس کے تمام مطلوب تقاضوں کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک عظیم جدوجہد بن جاتا ہے۔ اسی لیے اس دعوتی عمل کو جہاد کہا گیا ہے۔

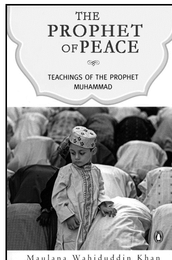
اصلاً جہاد کا مطلب یہی ہے۔ تاہم بعض اوقات اس کے توسیعی مفہوم کے اعتبار سے، جہاد کے لفظ کو قتال (جنگ) کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن یہ اُس کا صرف توسیعی مفہوم ہے۔ جہاں تک احکام اور آداب کا تعلق ہے، جہاد اور

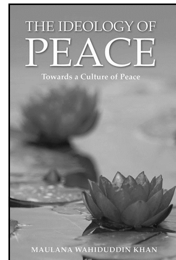
قتال دونوں کے احکام اور آداب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جہاد دعوت کا اصل نشانہ فریقِ ثانی کی سوچ کو بدلنا ہوتا ہے، جب کہ قتال کا نشانہ برعکس طور پر فریقِ ثانی کا استیصال کرنا ہے۔

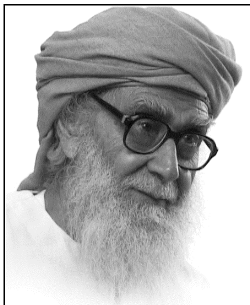
جہاد اور قتال کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ جہاد بہ معنی دعوت ایک عمومی حکم ہے۔ دعوتی جہاد ہمیشہ اور ہر حال میں کرنا ہے۔ جہادِ دعوت کا نشانہ اللہ کے پیغام کو اُس کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ دعوت انسانی خیر خواہی پر مبنی ایک مثبت کام ہے جو ہر زمانے میں اور ہر نسل میں جاری رہتا ہے۔

اِس کے برعکس، جہاد بہ معنی قتال ایک وقتی عمل ہے جو صرف اُس وقت کیا جاتا ہے جب کہ کوئی بیرونی ملک کسی مسلم ملک پر مسلح حملہ کردے۔ اِس حملے کا مقابلہ کرنے کی ذمے داری افراد پر نہیں ہے، اس کی ذمے داری صرف منظّم حکومت پر ہے جو حسب ضرورت اس کا انتظام کرتی ہے۔









Maulana Wahiduddin Khan is a spiritual scholar, who has adopted peace as the mission of his life. Well known for his balanced views, he has been actively involved, for decades, in promoting peace and spirituality in order to usher in global peace and unity.

In 2001, he founded CPS International— Centre for Peace and Spirituality. CPS is a non-profit, non-political organization that promotes the culture of peace through mind-based spirituality and undertakes inter-faith dialogue.

CPS uses every available media—like lectures, conferences, one-on-one sessions, articles in the print media, television content, and websites—to propagate the message of peace worldwide by training individuals in spiritual principles.

CPS International
Centre for Peace and Spirituality

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013
Tel. 011-41827803, 46521511, Fax: 011-45651771

اسلامی جہاد

جہاد کا لفظی مفہوم جدو جہد ہے۔ اسلامی جہاد کا مطلب ہے—اسلام کی دعوت واشاعت کے لئے پرامن جدو جہد کرنا۔ دعوت ایک پرامن مشن ہے۔ دعوت کے پرامن مشن کے لئے کوشش کرنے کا نام جہاد ہے۔ یہ جہاد تمام تر مثبت ذہن کے تحت انجام پاتا ہے۔ اِس جہاد کی اسپرٹ انسان کے ساتھ یک طرفہ ہمدردی ہے۔ اِس جہاد کا تعلق نہ جنگ سے ہے اور نہ سیاست سے اور نہ کسی قسم کے مادی مفاد سے۔ اِسی اسلامی جہاد کا دوسرا نام دعوت الی اللہ ہے۔

www.goodwordbooks.com

Goodword

ISBN 978-93-5179-041-9

